دہلی میں اقبال سیمینار

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

1947ء میں تقسیم ہند کے بعد' بھارت میں کئی سال تک علامہ اقبال کا نام لینا' ایک طرح کے ارتکاب جرم کے مترادف تھا——— سات آٹھ برس تک اقبالیات کے سلسلے میں ہمیں وہاں ایک سناٹے کی کیفیت نظر آتی ہے۔ اس کا سبب بہت واضح تھا۔ بھارت میں اقبال کی حیثیت' ایک ایسے شخص کی تھی' جو ہندوستانی قوم پرستی کے مقابلے میں دو قومی نظریے کا پرجوش داعی اور مبلغ تھا اور اس نے ہندوستان کے اندر' ایک مسلم مملکت کی صورت گری یعنی حصول پاکستان میں بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا تھا———

1930ء کے خطبہ الہ آباد پر بعض ہندو اخبار نویسوں نے اقبال پر بہت سب و شتم کیا (پرتاب نے تو انہیں "شمالی ہند کا ایک خوفناک مسلمان" اور "ایک تنگ خیال' تنگ نظر' انتہا درجے کا متعصب مسلمان" قرار دے دیا)——— لیکن اقبال' کسی قوم یا مذہب کے مخالف نہ تھے۔ ایک دردمند انسان کی طرح وہ ہندوؤں سمیت' تمام ابنائے وطن کے ہمیشہ بہی خواہ رہے ——— معروف ترقی پسند نقاد فراق گورکھپوری نے بھی اعتراف کیا کہ اقبال کبھی بھی کسی سستے معنوں میں ہندو دشمن نہیں تھے رفتہ رفتہ برف پگھلنے لگی اور اقبال مخالف فضا تبدیل ہونے لگی۔ ڈاکٹر خلیق انجم کے بقول: اہل بھارت نے محسوس کیا کہ اقبال کے بغیر ان کا گزارا نہیں ہو سکتا۔ 1960ء یا 1961ء میں آل انڈیا ریڈیو سے علامہ اقبال کی غزلیں نشر ہونا شروع ہوئیں' اقبال پر کتابیں بھی چھپنے لگیں اور ذکر اقبال کے لیے بتدریج ایک نرم گوشا پیدا ہوتا گیا۔ علمی و ادبی انجمنیں اقبال پر تقریبات منعقد کرنے لگیں——— اقبال صدی (1977ء) کے آتے آتے' اقبال کے بارے میں بھارت کے خواص و عوام میں ایک پرجوش دلچسپی پیدا ہو چکی تھی۔ سری نگر یونیورسٹی میں مطالعات اقبال کا بہت بڑا ادارہ اقبال انسٹی ٹیوٹ قائم ہوا (جس نے بعد ازاں' فروغ اقبالیات میں قابل قدر کردار ادا کیا——— صدر فخر الدین علی احمد کی سربراہی میں کل ہند اقبال صدی تقریبات کمیٹی نے' والہانہ ذوق و شوق سے صدی تقریبات منعقد کیں۔ اسی سلسلے میں دہلی میں ایک چار روزہ بین الاقوامی اقبال سیمینار (30 اکتوبر تا 2 نومبر 1977ء) منعقد ہوا۔ قصہ مختصر بھارت میں مطالعہ اقبال کی بیس سالہ کہانی خاصی طویل ہے' اس سے قطع نظر کرتے ہوئے' ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

اسی تسلسل میں' ایک سہ روزہ بین الاقوامی اقبال سیمینار 10 تا 12 جون 1997ء دہلی

یونیورسٹی میں منعقد ہوا۔ اس کا اہتمام "انجمن اساتذہ اردو جامعات ہند" نے وزارت خارجہ سے منسلک ایک سرکاری ادارے این سی سی آر (National Council for Cultural Relations) اور ایک مسلم صنعتی ادارے ہند انڈسٹریز کے تعاون سے کیا تھا۔ ان دنوں ڈاکٹر عبدالحق صاحب (پروفیسر اردو دہلی یونیورسٹی) انجمن اساتذہ کے صدر' ہیں اور وہی اس سیمینار کے روح رواں تھے۔ اقبال ان کی دلچسپی کا خاص موضوع ہے۔ ڈاکٹریٹ بھی انہوں نے اقبالیات پر کیا ہے۔ اور یہ بھارت میں اقبال پر پہلا ڈاکٹریٹ تھا۔ ابتداء میں تو یونیورسٹی کے ریسرچ بورڈ نے' اقبال پر تحقیق کے لیے ان کی درخواست رد کر دی (بورڈ کے چیئرمین آر ایس ایس کے سرگرم رکن تھے۔) بعد ازاں ان کے استاد پروفیسر محمود الٰہی (صدر شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی) بڑی مشکل سے انہیں اجازت دلوانے میں کامیاب ہوئے۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب' مقامی اور ملکی سطح پر اس سے پہلے بھی اقبال کی یاد میں علمی مجالس کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ گذشتہ برس بھی' جب وہ شعبہ اردو کے صدر تھے' انہوں نے ایک دو روزہ اقبال سیمینار منعقد کیا تھا۔ حالیہ سیمینار میں پاکستان سے راقم الحروف کے علاوہ ڈاکٹر تحسین فراقی (لاہور) اور پروفیسر محمد ایوب صابر (ایبٹ آباد) شریک ہوئے۔

دہلی یونیورسٹی کا کیمپس خاصا وسیع و عریض ہے اور یہ نئی دہلی کے اس علاقے میں واقع ہے' جہاں کسی زمانے میں انگریز وائسرائے کی رہائش گاہ تھی۔ اس دور کی بعض عمارتیں' اب یونیورسٹی کے زیر استعمال ہیں۔ سیمینار کی نشستیں' یونیورسٹی کے مرکزی کتب خانے سے ملحق' دوسری منزل پر واقع نیگور ہال میں منعقد ہوتی رہیں۔

سیمینار کے افتتاحی اجلاس (10 جون' ساڑھے دس بجے) میں خاصی رونق اور گہما گہمی تھی۔ سٹیج پر بھارتی پارلیمنٹ کے ممبر ڈاکٹر کرن سنگھ' این سی سی آر کی ڈائریکٹر جنرل شریمتی میرا شنکر' ہند انڈسٹریز کے سراج قریشی' معروف ادیب اور نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ' بھارت میں سلطنت اومان کے سفیر جناب عزیز علوی اور ایک معروف صحافی سریندر موہن رونق افروز تھے۔ راقم اور تحسین فراقی صاحب کو بھی سٹیج پر مہمانوں کے درمیان جگہ دی گئی۔ ذرائع ابلاغ کے نمائندے بھی موجود تھے۔ پس منظر میں آویزاں کتبے پر اردو اور انگریزی میں سیمینار کا موضوع درج تھا: "اقبال کی شعری اور فکری جہات" (The Dimensions of Iqbal's Art and Thought) ——— ڈاکٹر کرن سنگھ سابق مہاراجا کشمیر کے بیٹے ہیں' سیاسیات میں پی ایچ ڈی ہیں۔ انہوں نے شستہ اردو میں نہایت روانی سے' اور ایک گونہ بے تکلفانہ انداز میں گفتگو کی۔ کہنے لگے: میں اس اجلاس میں شرکت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہوں۔ اقبال کی نظم "ہمالہ" سے ان کا جذبہ حب وطنی نمایاں ہوتا ہے ——— اقبال کشمیری تھے' اور انہوں نے کشمیر کو جنت ارضی قرار دیا تھا' مگر اس وقت کشمیر' جنت کے بجائے جہنم زار بنا ہوا ہے (مگر کیوں؟ ڈاکٹر کرن سنگھ نے اس پر اظہار خیال نہیں کیا) ——— ایک مثالی راہنما کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے: میں جب کبھی سوچتا ہوں کہ ایک اچھا لیڈر' ایک اچھا رہنما کیسا ہونا چاہیے تو اقبال کا یہ شعر میری راہنمائی کرتا

ہے:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

آج دیواریں بنانے والے بہت ہیں، مگر پل بنانے والے کم ہیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اقبال کی رہنمائی میں، موجودہ مسائل کے حل کی کوئی صورت پیدا ہو ——— ڈاکٹر گوپی چند نارنگ دہلی یونی ورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق صدر اور معروف ادیب و نقاد ہیں۔ کئی بار پاکستان بھی آچکے ہیں۔ نارنگ صاحب نے ایک تو یہ کہا کہ بڑا ادب ہمیشہ نظریاتی ہوتا ہے اور اس کی نظریاتی جہت، کسی نہ کسی صورت اپنے اندر ایک سیاسی پہلو بھی رکھتی ہے۔ اقبال کا بھی یہی معاملہ ہے، پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا کی تقریباً تمام تحریکات کو فکر اقبال سے غذا فراہم ہوتی ہے ——— ڈاکٹر نارنگ کی اپنی تقریر کسی قدر نظریاتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اقبال جیسے پاکستانی ہیں، ویسے ہندوستانی بھی ہیں۔ دونوں ممالک میں اقبال کے نام پر ادارے، انجمن اور سڑکیں موجود علامہ اقبال کے 1930ء کے خطبہ الہ آباد کے ضمن میں، کہنے لگے کہ اس میں تو فیڈریشن کا ذکر ہے، علیحدگی کا نہیں ——— سیمینار میں ہم پاکستانیوں کی شمولیت پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک صاحب سے گیارہ سال بعد اور ایک صاحب سے آٹھ برس بعد ملاقات ہو رہی ہے۔ آزادی اظہار خیال کی طرح، آزادی سفر کے حق کو بھی تسلیم کیا جانا چاہیے ——— ان کا اشارہ ویزے کے حصول میں دو طرفہ مشکلات اور رکاوٹوں کی طرف تھا۔ خیال رہے کہ ہم نے بھارت کے تین شہروں کے ویزے کے لیے درخواست گزاری تھی، مگر صرف دہلی کے لیے اجازت ملی اور وہ بھی بعد مشکل ——— البتہ پولیس رپورٹنگ سے استثنا کی رعایت دے دی، اور اس سے ہمیں خاصی سہولت رہی ——— ڈاکٹر نارنگ کی تقریر صدارتی تھی، اس لیے اس کے بعد اس پر کچھ کہنے سننے کا موقع نہ تھا۔ البتہ چند روز بعد اقبال اکیڈمی ہند کی استقبالیہ تقریب میں پھر اسی نکتے پر بات چل نکلی۔ (یہ تقریب سید مظفر حسین برنی صاحب نے منعقد کی تھی۔ وہ پرانے آئی سی ایس ہیں اور بہار اور ہریانہ کے گورنر رہ چکے ہیں۔ "کلیات مکاتیب اقبال" کے نام سے اقبال کے خطوں کی تین جلدیں شائع کرچکے ہیں۔ ان کی تصنیف "محبت وطن اقبال" میں 1905ء تک کے قوم پرست اقبال کو بہت نمایاں کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اصل کتاب انگریزی میں ہے، اسے بھارت کی مختلف زبانوں ہندی، ملیالم، تلگو، کنڑہ، اور اردو میں ترجمہ کرکے پھیلایا گیا ہے) ——— انجمن ترقی اردو ہند کے سیکرٹری ڈاکٹر خلیق انجم نے قائداعظم کے نام، اقبال کے خطوں کو ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان میں تحریف کی گئی ہے اور "یہ جعلی ہیں" ——— اصل قصہ یہ ہے کہ مذکورہ خطوط کی موجودگی میں، اس امر سے انکار ممکن ہی نہیں کہ اقبال، شمال مغربی ہند میں ایک علیحدہ مسلم مملکت کے حامی تھے۔ ان خطوط میں علامہ بار بار ملک کی تقسیم اور آزاد اسلامی ریاست کی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ اب ان خطوں کو مشکوک قرار دیا جارہا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے تین برس پہلے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ "ان خطوط کی اصل کہیں دستیاب نہیں

ہے" (دانش ور اقبال' ص 9)——— بہرحال اقبال اکیڈمی ہند کی متذکرہ بالا تقریب میں خلیق انجم صاحب کی نکتہ آفرینی کے علاوہ' ایک اور صاحب نے بھی بھارت اور پاکستان کے درمیان "مصنوعی دیواروں" کی موجودگی پر افسوس ظاہر کیا——— معاً" بعد اس کا ایک جواب تو خواجہ حسن نظامی اور پروفیسر نثار احمد فاروقی نے دیا کہ دیوار بھی زندگی کی ایک حقیقت ہے' اور دیواروں کے بغیر کسی عمارت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ کہ ہندوستان کی طرح' پاکستان کا وجود بھی ایک حقیقت ہے' اور ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہیے——— راقم الحروف نے یہ سوال اٹھایا کہ جناح کے نام اقبال کے خطوط' اولیں مرتبہ 1942ء میں شائع ہوئے تھے۔ ان خطوں کی بنیاد پر اقبال کے سیاسی فکر اور ان کے تصور پاکستان پر بہت کچھ لکھا گیا' اور طرح طرح کی بحثیں ہوئی' مگر ان خطوں کی سند و صحت پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا' قابل غور بات ہے کہ اب پچاس پچپن برس بعد یہ انکشاف کیا جارہا ہے کہ یہ خط جعلی ہیں؟——— ڈاکٹر تحسین فراقی نے کہا کہ اگر ہم اس معیار پر اصرار کریں اور ہر تحریر کی اصل پیش کرنے کو لازم ٹھہرایا جائے تو پھر ہمیں اپنے علمی تحریری ورثے کا بیشتر حصہ رد کرنا پڑے گا——— پروفیسر محمد ایوب صابر نے تیکھے کی بات کہی ان کا لہجہ سوالیہ تھا۔ حاضرین کرام! آپ محمد علی جناح سے واقف ہوں گے' ان کی زندگی سے' ان کی سیاسی جدوجہد سے——— ان کے بارے میں کچھ پڑھا ہوگا' کچھ سنا ہوگا"؟ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ بولا ہو' کبھی غلط بیانی کی ہو؟ کوئی ایسی مثال ہو تو بتایئے———(قدرے توقف کے بعد)——— نہیں بتا سکتے۔ آپ ان سے اختلاف تو کرسکتے ہیں' مگر ان کی صاف گوئی' راست گوئی اور دیانت و امانت پر حرف گیری نہیں کرسکتے——— غالب اکیڈمی کے ہال میں مکمل خاموشی طاری تھی——— اندازہ ہوا کہ حاضرین نے گہرا تاثر قبول کیا تھا۔

جملہ معترضہ طویل ہوگیا——— اب اصل موضوع یعنی دہلی سیمینار کی طرف آتا ہوں ——— افتتاحی اجلاس کی حاضری' بعد کی نشستوں کے مقابلے میں خاصی بھرپور تھی۔ اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کے نمائندے بھی موجود تھے۔ چنانچہ سیمینار کی علمی نشستوں کی روداد' اردو اخبارات میں تین روز تک روزانہ شائع ہوتی رہی۔ البتہ دہلی کے مقامی انگریزی اخبارات میں سیمینار کی کوئی خبر کبھی نہیں چھپی۔ اندازہ ہوا کہ انگریزی پریس' اردو سے متعلق تقریبات سے بوجوہ یا مزاجاً لاتعلق رہتا ہے——— دہلی سے کئی اردو روزنامے شائع ہوتے ہیں ان کا اپنا ایک مزاج ہے۔ انگریزی اخباروں کے مقابلے میں ان کی حیثیت کمتر ہے' اس لیے یہ اتنے موثر نہیں ہیں اور نہ ان کی آواز معتبر اور توانا ہے——— ایک سبب یہ بھی ہے کہ تقریباً سبھی اردو اخبار نویس' اردو مالکان اخبارات مسلمان ہیں——— چنانچہ یہ اپنے ملک کے ماحول' فضا اور تقاضوں سے اثر پذیر زیادہ ہوتے ہیں۔ "قومی آواز" بھارت کا سب سے بڑا اور کثیر الاشاعت روزنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اقبال سیمینار کے پہلے روز کی خبر کی سرخی اس میں یوں تھی: "کلام اقبال کو قرآنی آیات کی روشنی میں جانچنا ٹھیک نہیں"——— دہلی ہی کے روزنامہ "سب کا اخبار" کی سرخی اس طرح تھی: "اقبال کی شاعری ویدانت اور روحانیت کے امتزاج کی علامت"——— اسی اخبار نے آخری

روز کی کارروائی کو یہ عنوان دیا : "اقبال اور اروند گھوش کے پیغام میں مماثلت کی دریافت" ——— اوکھلا میں بعض دوستوں نے میڈیا مانیٹرنگ یونٹ کے زیر اہتمام "پاکستان کی علمی، فکری، تعلیمی اور ادبی صورت حال" پر ایک مجلس کا انعقاد کیا، جس میں ہم تینوں نے حسب توفیق اظہار خیال کیا۔ سہ روزہ "دعوت" نے بہت مناسب اور موزوں عنوان : "پاکستان اپنی نظریاتی اساس کو قائم رکھ کر ہی مستحکم ہو سکتا ہے۔" کے ساتھ اس کی مفصل روداد شائع کی مگر "قومی آواز" نے حسب مزاج اس کی سرخی اس طرح جمائی : "پاکستان میں ادبی و علمی سرگرمیاں سیاسی ابتری کی نذر"

تین روزہ سیمینار میں، افتتاحی اجلاس کے بعد، آٹھ علمی نشستیں منعقد ہوئیں۔ جن میں تقریباً تین درجن مقالات پڑھے گئے۔ جن میں سے بیشتر بھارت کی سولہ یونیورسٹیوں کے اساتذہ نے پیش کیے ——— چند عنوانات اور مقالہ نگار :

ڈاکٹر سید محمد عقیل	الہ آباد	"مسجد قرطبہ" کے ایک بند کا فکری و فنی تجزیہ
ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی	دہلی	خطبات اقبال، ایک جائزہ
ڈاکٹر اجتبیٰ ندوی	دہلی	اقبال، دیار عرب میں
ڈاکٹر نصیر احمد خان	دہلی	———
ڈاکٹر احمد سجاد	رانچی	اقبال اور ارندو گھوش
ڈاکٹر یوسف سرمست	حیدر آباد	اقبال شناسی اور بزم اقبال
پروفیسر شریف حسین قاسمی	دہلی	اقبال اور جدید فارسی شاعری
ڈاکٹر عطیہ نشاط	الہ آباد	———
ڈاکٹر حنیف	دہلی	———
ڈاکٹر فضل امام	الہ آباد	اقبال کا مرد مومن
ڈاکٹر توقیر احمد خاں	دہلی	اقبال کی شاعری میں برہمن کا تصور
ڈاکٹر شمیم رضوی	لکھنؤ	اقبال کا نظام غزل گوئی
ڈاکٹر عبدالحق	دہلی	اقبال اور غالب کی فکری مماثلتیں
ڈاکٹر عبدالقادر جعفری	الہ آباد	اقبال اور ان کی فارسی شاعری
ڈاکٹر جلال الخضناوی	مصری سکالر	مصر، اقبال کے اشعار میں،
آقای محسن میری	ایرانی ثقافتی اتاشی	کلام اقبال پر ایران کے اثرات
ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی	جموں	جموں و کشمیر میں اقبالیات کا جائزہ
ڈاکٹر علی جاوید	جموں	اقبال کی شاعری پر اشتراکیت کے اثرات
جناب چیتن دیو	راجستھان	اقبال کی روحانیت اور اپنشید
ڈاکٹر تحسین فراقی	لاہور (پاکستان)	علامہ اقبال اور مسلم ثقافت کے خدوخال
ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	لاہور (پاکستان)	خطبات اقبال : مطالعہ، تفہیم اور معنویت

پروفیسر ایوب صابر　　ایبٹ آباد　　کلام اقبال کی فکری اساس

متعدد نوجوان محققین اور ریسرچ سکالروں (ڈاکٹر محمد حسین' امتیاز احمد' ڈاکٹر خواجہ اکرام' ڈاکٹر رضی الرحمان' شاہد محمد پٹھان' ریاض احمد' عمر فاروق اور ندیم احمد) نے بھی مضامین پیش کئے ——— سیمینار میں دہلی اور اطراف کے متعدد نامور اساتذہ بھی کسی نہ کسی حیثیت میں شریک رہے' مثلاً ڈاکٹر شارب ردولوی' ڈاکٹر عظیم الشان صدیقی' ڈاکٹر ظہور الدین' ڈاکٹر گوپی چند نارنگ' پروفیسر ایم این فاروقی' پروفیسر علاء الدین' پروفیسر شمیم نکہت وغیرہ۔ سیمینار کے پہلے روز' دہلی کے پاکستانی ہائی کمیشن کے پریس قونصلر جناب جمیل الدین مفتی بھی دوپہر تک کی نشستوں میں شریک رہے۔ بھارت میں سلطنت اومان کے سفیر جناب طاہر علوی نے ایک نشست میں مہمان خصوصی کی حیثیت میں اظہار خیال کیا۔

مقالہ نگاروں میں ہر طرح کا نقطہ نظر رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ ان کی تحریروں میں اقبال کی وطن دوستی' سرزمین ہند' اس کے مناظر و مظاہر' پہاڑوں اور دریاؤں سے شاعر کے فطری لگاؤ کا ذکر تھا' اور اقبال کی انسان دوستی اور آفاقیت کا تذکرہ بھی——— بعض مقالہ نگاروں نے کلام اقبال کے فنی جلال و جمال اور اس کے حسن اسلوب کو سراہا' اور اقبال کی شاعرانہ حیثیت کو خراج عقیدت پیش کیا۔ بعض ترقی پسند حضرات نے اقبال کے ہاں اشتراکی رجحان اور جدلیاتی فکر کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر محمد عقیل نے "مسجد قرطبہ" کے حوالے سے' اقبال کے نظریہ فن کو انتہا پسندانہ قرار دیا۔

بھارت کے علمی سیمیناروں اور کانفرنسوں کی ایک اچھی روایت یہ ہے کہ ہر نشست کے اختتام پر سامعین کو سوال کرنے کا موقع دیا جاتا ہے' اور متعلقہ مقالہ نگار یا مقرر' سوال کا جواب دیتا ہے اور سب سے آخر میں مجلس کے صدور باری باری مجموعی تبصرہ کرتے ہیں گو کہ مقالوں کی کثرت اور وقت کی کمی کی بنا پر بہت تفصیل سے تو سوال' جواب اور بحث نہ ہو سکی' پھر بھی صدارتی مجلس میں شامل مختلف اصحاب کے مختصر تبصروں سے بھی خاصے مفید نکات سامنے آئے۔

ایک اہم مقالہ راجستھان میں اونچے عہدے پر فائز ایک غیر مسلم پولیس افسر جناب چیتن دیو کا تھا۔ انہوں نے کلام اقبال کے روحانی عناصر کو گیتا کی تعلیمات سے مماثل قرار دیتے ہوئے' اقبال کو خراج تحسین پیش کیا۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ انہوں نے اقبال کا خاصا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اقبال کے ہاں ایک خاص طرح کی روحانیت ملتی ہے جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن پوری طرح احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ انہوں نے اقبال کے لیے اپنی والہانہ پسندیدگی ظاہر کرتے ہوئے ایک شعر پڑھا جس کا ایک مصرع یہ تھا:۔ اگر ہم ممتحن ہوتے تو نمبر سو کے سو دیتے ——— علامہ کے معروف انگریزی خطبات بھی اس سیمی نار کا ایک نمایاں موضوع رہا۔ ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی کے طول طویل' بلکہ سیمینار کے سب سے زیادہ طویل مقالے میں' خطبات پر بہت سے اعتراض کیے گئے——— راقم نے اپنے مضمون میں مطالعہ و تفہیم خطبات کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا۔ تحسین فراقی صاحب کا مقالہ بھی' بیشتر' خطبات ہی کے حوالے سے تحریر کیا گیا تھا۔

مقالات کے علاوہ سوالات و جوابات اور صدارتی تبصروں میں بھی خطبات پر گفتگو رہی۔

اس سیمی نار کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ بہت سے نئے اور نوجوان لکھنے والوں نے اقبال پر چند اچھے مقالے پیش کئے۔ ان میں بیشتر تو ڈاکٹر عبدالحق صاحب کے شاگرد تھے' اور دہلی کے شعبہ اردو سے متعلق ہیں۔ بعض نوجوانوں نے بتایا کہ انہوں نے اقبال پر پہلی بار لکھنے کی کوشش کی ہے اور یہ مشق انہیں اس قدر اچھی لگی ہے کہ اب وہ اقبال کا باقاعدہ مطالعہ کرکے' مزید بہتر انداز میں لکھیں گے ——— اندازہ ہوا کہ سیمینار کے منتظمین نے معروف اور بزرگ اقبال شناسوں سے زیادہ' اقبال سے دلچسپی رکھنے والے نوجوانوں کو ارادتاً" زیادہ نمائندگی دینے کی کوشش کی ہے ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے آخری نشست میں سیمینار کی کامیابی پر مسرت و اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ایک ایسے ماحول میں جہاں فکشن اور جدید نظم جیسے موضوع کا زور و شور ہو اس طرح کا اقبال سیمینار کرنا آسان نہ تھا۔ شاید اسی لیے دو سال پہلے میرے رفیق کار' پروفیسر ارتضیٰ کریم نے اقبال سیمینار کے لیے مجھے چیلنج دیا تھا۔ میں نے اسے قبول کیا' اور الحمد للہ کہ میں اس میں کامیاب ہوا ہوں۔ میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میری ہمت افزائی کی ———

پھر انہوں نے کہا: اس سیمی نار میں آٹھ نوجوان دوستوں نے پہلی بار' اقبال پر اپنے مطالعہ و تحقیق کے نتائج پیش کئے ——— مقالہ نگاروں کی کثرت اور وقت کی کمی کے پیش نظر مجھے بہت سے دوستوں سے معذرت کرنی پڑی' مگر میں نے نوجوانوں کو ترجیح دی اور انہیں خوش آمدید کہا ——— دراصل اقبالیات کے میدان میں نئی نسل کو آگے لانے کا مقصد یہ ہے کہ اقبال شناسی کا سلسلہ آگے بڑھے' پرانے اور مسلمہ اقبال شناسوں اور نئے لکھنے والوں کے درمیان فاصلوں کو ختم یا کم کیا جائے' تعطل کو دور کیا جائے ——— انہوں نے مزید کہا کہ اقبال کسی کی میراث نہیں ہے' میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ نئے لوگوں کو سامنے آنا چاہیے اور اقبال کی تفہیم و تعبیر میں حصہ لینا چاہیے ——— مجھے خوشی ہے کہ سیمینار کا مقصد حاصل ہوگیا۔ اقبال کی آپ جو تعبیر بھی کریں' اور جس زاویے سے دیکھیں' ان کے ہاں فکری آفاقیت نظر آئے گی' اور واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے آئینہ خانے سے الگ نہیں ہٹتے ———

مستقبل میں بھارت میں مطالعہ اقبال کے کیا امکانات ہیں؟ ——— اس کا کچھ اندازہ اردو کے معروف نقاد اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے استاد پروفیسر شمیم حنفی صاحب کے اس مختصر اظہار خیال سے لگایا جاسکتا ہے' جو انہوں نے مسافران دہلی کے لیے جامعہ ملیہ میں منعقدہ ایک استقبالیہ نشست میں کیا ——— انہوں نے کہا: ادب روشنی کا ایک سرچشمہ ہے اور اقبال کو بھی اس حوالے سے دیکھنا چاہیے۔ اقبال ایک عجیب و غریب پل کی طرح ہے۔ وہ ملکوں اور زبانوں کے بیچ رابطے اور اتصال کا شاعر ہے ——— اس کا مطالعہ انسان کو کہیں کہیں شک میں مبتلا کرتا ہے' مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ زندگی میں شخصیتوں کی بہت سی جہتیں ہوتی ہیں۔ ہر شخص سے مکمل اتفاق تو ممکن ہی نہیں ہوتا' اقبال سے بھی اگر ہم بہت سی باتوں میں اختلاف نہ کریں' تب بھی وہ ہمیں اچھا لگتا ہے ——— اقبال' تعصبات کو منہدم کرتا ہے۔ میں ادب کا طالب علم ہوں اور میں تو یہ جانتا ہوں کہ

اقبال کا مطالعہ ' خود کو دریافت کرنے کا عمل ہے۔

راقم کا تاثر یہ ہے کہ جب تک بھارت میں اردو زبان باقی ہے اور اقبال کا کلام شائع ہو رہا ہے۔ مطالعہ اقبال ایک زندہ موضوع کی حیثیت سے باقی رہے گا ——— بھارت میں اقبال کی مختلف تعبیریں ہوئی ہیں۔ اور آئندہ بھی ہوں گی ' مگر اس سے اقبال کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ اقبال اپنی اصل حیثیت و شناخت کے ساتھ باقی اور زندہ و پایندہ رہے گا ———

رفیع الدین ہاشمی

19 جولائی 1997ء